50

اللہ تعالیٰ کے فضلوں پر امید اور یقین رکھو

(فرمودہ ۸- اپریل ۱۹۳۲ء)

تشہد تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

قرآن کریم سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں نیکی رکھی ہے اور یہ نیکی ہی ہے کہ باوجود شیطان کی تمام کوششوں کے اور باوجود تاریکی کے فرزندوں کی تمام سعیوں کے دنیا میں خوبصورتی نظر آتی ہے- اور وہ اربوں ارب گناہ جو دنیا میں کئے جاتے ہیں باوجود ان کے دنیا پھر بھی اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان فضلوں کی نشان اور آثار معلوم ہوتی ہے- ہم جب مذاہب کا معائنہ کرتے ہیں تو دنیا میں ہمیں سچائی کے ماننے والے بہت تھوڑے نظر آتے ہیں اور شیطانی تعلیموں کو ماننے والے بہت زیادہ لیکن باوجود اس کے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو دنیا کو پیدا کیا تو لغو اور عبث پیدا نہیں کیا اور ہم سمجھتے ہیں کہ جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا وہ پورا ہو رہا ہے- باوجود کفر کی زیادتی کے ہم ایسا کیوں خیال کرتے ہیں- اس وجہ سے کہ گو کفر دنیا میں زیادہ دکھائی دیتا ہے' مگر درحقیقت ایمان کی طلب کفر سے بہت زیادہ ہے- بظاہر جب ہم یقین اور وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ دنیا کی تمام ترقیات اسلام کے ساتھ وابستہ ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا آخری شرعی کلام قرآن مجید ہے اور اس پر عمل کئے بغیر لوگوں کی نجات ممکن نہیں تو لازماً ہمیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ایک عیسائی حق سے دور اور خدا کے قرب سے محروم ہے' ایک سکھ خدا سے دور اور اس کی رضاء سے بے نصیب ہے' ایک یہودی خدا سے دور اور صداقت پر عمل نہیں کر رہا پھر یہ بھی صاف بات ہے کہ مسلمانوں میں سے جو لوگ بداعمالیوں میں مبتلاء ہیں اگر ان کو علیحدہ نہ بھی کیا جائے اور سب کو پکا مسلمان سمجھ لیا جائے تب بھی تمام

مسلمانوں کی تعداد دوسروں کی نسبت بہت کم ہے۔ اگر عیسائیوں کو، سکھوں کو، یہودیوں کو، پارسیوں کو، جینیوں کو، کنفیوشس کے ماننے والوں کو، جاپان کے مختلف مذہب کے لوگوں کو یا اور چھوٹے چھوٹے مذاہب جو دنیا میں پائے جاتے ہیں ان سب کے ماننے والوں کو جمع کیا جائے تو ان کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ ہوگی اور پانچ آدمیوں میں سے بہ مشکل ایک آدمی مسلمان کہلانے والا دکھائی دے گا۔ غرض ظاہر میں تو کفر زیادہ ہے اور اگر ہم اس طریق سے مردم شماری کریں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ باقی لوگ حق پر نہیں۔ اور جو حق پر ہیں وہ بہت تھوڑے ہیں۔

لیکن اگر ہم اس کے علاوہ ایک اور رنگ میں مردم شماری کریں۔ یعنی ایک تو مردم شماری کا یہ طریق ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہو کہ میں عیسائی ہوں اسے عیسائی سمجھ لیا جائے، جو ہندو کہے اسے ہندو قرار دیا جائے، جو سکھ کہے اسے سکھ شمار کیا جائے اور اس طرح سب کو مسلمانوں کے مقابلہ میں رکھ کر یہ نتیجہ نکال لیا جائے کہ دنیا میں اسلام کم ہے اور کفر زیادہ یہ بھی گننے کا ایک طریق ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ایک اور بھی طریق ہے اور اس طریق کے لحاظ سے موجودہ نقشہ ہی بالکل تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم دیکھیں کتنے عیسائی ہیں جو عیسائیت کو سچا سمجھ کر مانتے ہیں اور کتنے عیسائی ہیں جو اسلام اس لئے قبول نہیں کرتے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اسلام جھوٹا مذہب ہے یا ہندوؤں میں سے کتنے ہیں جو صرف جہالت یا غفلت یا تعلیم یا تحقیق کی کمی کی وجہ سے اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہیں اور اسلام کو اس لئے قبول نہیں کرتے کہ وہ یقین رکھتے ہوں کہ دوسرے تمام مذاہب جھوٹے اور باطل ہیں۔ اگر ہم اس طرح مذاہب کے ماننے والوں کی مردم شماری کریں۔ تو دہریوں کو الگ کر کے کہ وہ خدا کے ہی قائل نہیں۔ ۹۵ یا کم از کم ۹۰ فیصدی ایسے لوگ نظر آئیں گے جو چاہے اپنے ذہن میں جہالت یا غفلت کی وجہ سے ہی ایک بات جمائے بیٹھے ہوں مگر وہ اس لئے کسی مذہب پر قائم ہوتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں اس مذہب میں داخل رہنے سے انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی۔

پس ان کے عقائد خراب سہی مگر ان کی نیت تو درست ہے۔ وہ اسلام کو خدا کے پانے کا سچا مذہب خیال کرتے ہوئے پھر قبول نہیں کرتے۔ بلکہ اکثر ہندو اس لئے اسلام میں داخل نہیں ہوتے کہ انہیں پیدا ہوتے ہی یہ بتایا جاتا ہے کہ اسلام میں عیب ہی عیب ہیں۔ اور چونکہ انہوں نے اسلام کی تحقیق نہیں کی ہوتی اس لئے وہ اسلام قبول کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں میں سے بیشتر حصہ اس لئے اسلام قبول نہیں کرتا کہ اس نے کبھی اسلام کے متعلق غور

ہی نہیں کیا ہوتا۔ پس یہ تمام لوگ تحقیق کی کمی کی وجہ سے انکار کر رہے ہوتے ہیں۔ ورنہ سچائی کے وہ بھی پیاسے ہوتے ہیں۔ اور انہیں بھی اس امر کی تڑپ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وصال حاصل ہو۔

پس درحقیقت خدا طلبی کا مادہ انسان کے اندر زیادہ ہے بہ نسبت خدا کو چھوڑنے کے ارادہ کے۔ اگر اس طرح لوگوں کی تعداد کا علم حاصل کیا جائے اور اگر اس طرح مردم شماری کی جائے کہ کتنے دل چاہتے ہیں کہ وہ خدا سے مل جائیں اور کتنے دل ہیں جو نہیں چاہتے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو تو ان کی تعداد جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور پیار کے خواہاں ہیں خواہ وہ کتنے ہزاروں پردوں کے نیچے چھپے ہوئے ہوں یقیناً ۹۰ فیصدی سے بھی زیادہ ہوگی۔

پس نیکی کا بیج دنیا میں بدی سے بہت زیادہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اتفاقی حادثات کی وجہ سے بدی کا درخت بہت اونچا نظر آئے لیکن اگر ہم دیکھیں تو اس بدی کے درخت کے نیچے بھی ڈھیروں ڈھیر نیکی کا بیج جمع ہوگا۔ پس دنیا کی ظاہری برائیوں اور عیبوں کی وجہ سے کبھی دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ درحقیقت دنیا نیکی کے لئے قائم کی گئی ہے۔ اور نیکی ہی اس میں زیادہ موجود ہے۔ یہ تو میں نے عقائد اور ایمان کے متعلق بتایا ہے کہ اگر اس لحاظ سے دنیا کے تمام لوگوں کو دیکھا جائے تو ان میں اسلام کا پہلو غالب دکھائی دے گا۔ گو ظاہری طور پر ایسے لوگوں کی تعداد تھوڑی ہو۔ مگر باطن پر غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوگا کہ دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو چاہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملیں۔ اور اس کا وصال انہیں حاصل ہو۔ لیکن اگر ہم اعمال کے لحاظ سے دیکھیں تو بھی اس میں ہمیں نیکی کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔ دنیا میں قریباً ہر شہر اور ہر گاؤں میں بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہیں لوگ جھوٹا کہا کرتے ہیں۔ چونکہ ایسے لوگوں کو جھوٹ بولنے کی عادت ہوتی ہے اس لئے جب وہ اس عادت میں ترقی کر جاتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں یہ بڑے جھوٹے ہیں۔ دیہات و قصبات میں ایسا کوئی نہ کوئی آدمی ضرور مل جائے گا جس کے متعلق لوگ کہتے ہوں گے کہ یہ بڑا جھوٹا ہے بلکہ یہاں تک بعض لوگ کہدیں گے کہ اس نے تو کبھی سچ بولا ہی نہیں۔ مگر ایسے انسان کی زندگی اگر دیکھو تو اس میں بھی نیکی بہت زیادہ نظر آئے گی۔ کسی ایک دن کاغذ اور قلم دوات لے کر اس کے پاس بیٹھ جاؤ اور سارا دن جو وہ باتیں کرے لکھتے جاؤ۔ پھر تمہیں نظر آئے گا کہ اگر اس نے سَو باتیں کی ہیں تو ان میں سے ۹۸ سچ ہوں گی۔ اور دو جھوٹ مگر ۹۸ مرتبہ سچ بولنے کو نظر انداز کرتے ہوئے لوگ اس کے دو جھوٹوں کو دیکھ کر کہنا شروع کر دیں

گے کہ یہ تو بڑا جھوٹا ہے اس لئے کہ تھوڑا عیب بھی بہت نظر آتا ہے۔ اسی طرح لوگ یہاں تک کہہ دیتے ہیں فلاں شخص بڑا چور ہے۔ لیکن اگر ہم اس کی تمام زندگی دیکھیں اور اس امر پر غور کریں کہ اس نے اپنی تمام عمر کے کاموں کے مقابلہ میں چوری کتنی دفعہ کی تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اس نے بہت کم دفعہ کی ہوگی۔ فرض کرو اس نے اپنی زندگی میں سو دو سو چار سو یا ہزار مرتبہ چوری کی لیکن اس کی ساری عمر کے اتنے ہی تو کام نہیں ہوں گے۔ اس نے لاکھوں نیکیاں کی ہوں گی۔ مگر لاکھوں نیکیاں لوگوں کو نظر نہ آئیں اور اس کی پانچ سو یا ہزار دفعہ کی چوری نے اسے لوگوں میں چور مشہور کر دیا۔ پس سب سے بڑے چور کی نیکیاں بھی اسکی بدیوں سے بہت زیادہ ہوں گی۔ اسی طرح اگر ہم ڈاکوؤں کو دیکھیں تو ان میں بھی ہمیں یہی بات نظر آتی ہے۔ ڈاکوؤں کی کیسی گھناؤنی شہرت ہوتی ہے۔ ذرا لوگوں کو پتہ لگ جائے کہ اس علاقہ میں کوئی ڈاکو آیا ہے وہ کس طرح ڈر کے مارے کانپنے لگ جاتے ہیں۔ لوٹ مار کے علاوہ ڈاکوؤں کو قتل سے بھی دریغ نہیں ہوتا۔ لیکن ان کی زندگی میں بھی نیکی کے پہلو غالب نظر آئیں گے۔

پنجاب میں گزشتہ ہی دنوں ایک ڈاکو پکڑا گیا جس کے پکڑے جانے کی بظاہر کوئی صورت نہیں تھی۔ لیکن پولیس کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ اس کو اپنی ماں سے بہت محبت ہے۔ پولیس نے اس کے کان میں کسی ذریعہ سے یہ بات ڈلوادی کہ تیری ماں بیمار ہے۔ وہ اس خبر کو سن کر تاب نہ لاسکا اور تمام خطرات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ماں کے پاس پہنچ گیا۔ جونہی وہ وہاں پہنچا پولیس نے اسے گرفتار کر لیا تو ماں سے وفاداری اور احسان شناسی ایک ڈاکو میں بھی موجود تھی۔

پس حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عقائد میں اسلام کا پہلو غالب ہے اسی طرح اعمال میں بھی اسلام کا پہلو غالب ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہمارے دل میں ایک بہت بڑی امید پیدا کر دیتی ہے۔ کیونکہ جب ہم اس نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے نیکی کے دروازے کھلے رکھے ہیں۔ اس طرح مایوسی ناامیدی ہمارے دلوں سے نکل جاتی ہے۔ اور مایوسی اتنی خطرناک چیز ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ مَنْ قَالَ هَلَكَ الْقَوْمُ فَقَدْ أَهْلَكَهُمْ [1] جو شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں قوم ہلاک ہو گئی در حقیقت اسی نے اس کو ہلاک کر دیا کیونکہ وہ تو ہلاک ہوتی یا نہ ہوتی اس نے اس کے دل میں مایوسی پیدا کر کے اسے تباہ کر دیا کیونکہ جب کوئی قوم مایوس ہو جاتی ہے تو ترقی کی طرف اپنا قدم نہیں بڑھا سکتی۔ خوشی اور اُمنگ ہی ہے جو قوموں کو عروج تک پہنچاتی ہے۔ ہمارے ہی ایک بزرگ کا واقعہ مشہور ہے وہ بارہ دفعہ اپنے علاقہ

سے باہر نکلے اور بارہ دفعہ ہی انہیں شکست اٹھانی پڑی- ان متواتر شکستوں کی وجہ سے ان کی حالت اس قدر مخدوش ہو چکی تھی کہ انہیں بعض دفعہ زنانہ بھیس بدل کر باہر جانا پڑتا- تاریخوں والے لکھتے ہیں کہ ایک دن وہ قضائے حاجت کے لئے بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے دیکھا ایک چیونٹی نے دیوار پر چڑھنا شروع کیا- تھوڑا سا اونچا چڑھی تھی کہ نیچے گر پڑی اس نے پھر چڑھنا شروع کیا اور پھر گر پڑی- یہاں تک کہ وہ بیسیوں دفعہ گری مگر برابر چڑھتی رہی اور اس نے ہمت نہ ہاری یہاں تک کہ آخری مرتبہ دیوار پر چڑھ ہی گئی- انہوں نے جب یہ نظارہ دیکھا تو وہ فارغ ہو کر باہر آئے اور انہوں نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ اب میں نے ترقی کا راز پا لیا ہے- اگر چیونٹی متواتر گرنے کے باوجود اپنی ہمت نہیں ہارتی اور آخر اپنے مقصد کو پا لیتی ہے تو مجھے تو خدا نے انسان بنایا ہے میں بارہ شکستوں سے ہی کیوں گھبرا جاؤں- چنانچہ وہ پھر اپنی فوج سمیت نکلے اور اس مرتبہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے ایران، افغانستان اور پھر ہندوستان کو بھی فتح کر لیا- پس امید اور یقین ہی ہے جو کامیابی کی منزل کو قریب کر دیتا ہے- اور امید اور یقین ہی ہے جو تاریکیوں کو دور کرتا اور ناکامیوں کو پرے ہٹا دیتا ہے- لیکن مایوسی باوجود کامیابیوں کے سامان مہیا ہونے کے انسان کو ناکامی کے گڑھے میں گرا دیتی ہے- کتنے ہی لوگ ہیں جو خدا کے دروازے میں داخل ہونے سے محض اس لئے محروم رہ گئے کہ وہ مایوس ہو گئے- اور انہوں نے خیال کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے- لیکن وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضلوں پر یقین رکھا وہ باوجود اپنی کمزوریوں کے اس کی رحمت کے سایہ کے نیچے آگئے-

رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ اسلام سے پہلی قوموں کے حالات بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ بیان فرمایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ پر امید رکھنے والا انسان آخر نجات پا جاتا ہے- آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ پرانے زمانہ میں ایک شخص تھا جو بہت ہی بدکردار تھا- قتل جیسا فعل جس میں بڑے سے بڑا قاتل بھی چند آدمیوں کے قتل سے تجاوز نہیں کرتا اس میں بھی اس نے یہاں تک ترقی کی کہ ستر آدمی مار ڈالے تھے- آخر اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنا چاہئے- کیا تعجب ہے کہ میرے گناہوں کی معافی کا بھی کوئی سامان ہو جائے اور اللہ تعالیٰ میرے عیوب سے چشم پوشی کرتے ہوئے مجھے اپنی مغفرت کے دامن کے نیچے چھپا لے- وہ اس خیال کے ماتحت ایک عالم کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں نے اب تک یہ یہ گناہ کئے ہیں اور علاوہ انکے ستر قتل بھی کئے ہیں- کیا میرے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے

حضور کوئی نجات کی صورت ہے وہ شخص ظاہر میں تو عالم تھا مگر اصل میں جاہل تھا اس نے گناہوں کی فہرست کو سن کر کہہ دیا تجھ جیسے گنہگار کی معافی کی کوئی صورت نہیں۔ اس نادان نے اپنے دل کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان فضلوں پر نظر نہ کی۔ کہنے لگا تیرے لئے نجات کی کوئی صورت نہیں اس شخص نے کہا جب میرے لئے نجات کی کوئی صورت نہیں اور میں نے ضرور دوزخ میں ہی جانا ہے تو جہاں میرے اور سینکڑوں گناہ ہیں ان میں اگر ایک اور کا اضافہ ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ یہ کہہ کر اس نے تلوار نکالی اور اس عالم کہلانے والے کو قتل کر دیا۔ پھر خیال آیا کہ یہ تو بیوقوف تھا اس نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو محدود کر دیا ممکن ہے کسی اور سے اگر میں ملوں تو وہ میرے گناہوں کی معافی کا کوئی طریق بتا سکے۔ وہ یہ سوچ کر پھر گھر سے نکلا اور ایک اور عالم کے پاس گیا وہ بھی ویسا ہی تھا یعنی گو ظاہر میں عالم دکھائی دیتا تھا مگر دل کا جاہل تھا۔ اس سے جب ذکر کیا تو اس نے بھی کہہ دیا کہ تیری نجات نہیں ہو سکتی۔ اس نے کہا جب میری نجات نہیں ہو سکتی تو ایک گناہ اور کر لینے میں کیا حرج ہے یہ کہہ کر اس نے تلوار نکالی اور اس کی بھی گردن اڑا دی اسی طرح وہ اور لوگوں کے پاس جاتا رہا وہ اسے یہی جواب دیتے رہے اور یہ انہیں قتل کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے ۹۹ قتل ہو گئے آخر کسی نے اسے کہا کہ بے وقوف! یہ تو حقیقی عالم نہیں فلاں شخص روحانی عالم ہے تم اگر اس کے پاس جاؤ تو وہ ضرور تمہاری نجات کی کوئی نہ کوئی صورت بتا دے گا کیونکہ اس کا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہیں اور کوئی شخص کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو اگر وہ خدا تعالیٰ کی طرف جھکے تو خدا تعالیٰ اپنی مغفرت کے دامن میں اسے چھپا لیتا ہے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں وہ یہ خیال کر کے چل پڑا کہ اس روحانی عالم سے بھی مل کر دیکھوں ممکن ہے میری نجات کی کوئی صورت نکل آئے لیکن وہ ابھی راستہ ہی میں تھا کہ بیمار ہو گیا اور اس کی جان نکل گئی تب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے بھی آئے اور اس کے عذاب کے ملائکہ بھی، اور ان میں جھگڑا ہو گیا۔ عذاب کے فرشتے کہیں کہ ہم اس کی روح کو دوزخ میں لے جائیں گے کیونکہ یہ ساری عمر قاتل بدکردار اور خونریز رہا ہے اور رحمت کے فرشتے کہیں ہم اسے جنت میں لے جائیں گے کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ تلاش کرتا پھرتا تھا مگر نادان اس پر یہ دروازہ بند کر دیتے رہے آخر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا اس زمین کو ناپا جائے جس کی طرف سے یہ سفر کر کے آیا ہے اور اس زمین کو بھی ناپا جائے جس کی طرف اس نے جانا تھا اور دیکھا جائے

کہ زیادہ حصہ اس نے کس طرف کاٹے کیا ہے تاکہ جس زمین کے قریب ہو اس کے مطابق اسے جزاء دی جائے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں وہ اس حصہ کے زیادہ قریب تھا جس کی طرف سے اس نے سفر کرنا شروع کیا تھا اور اس حصہ سے دور تھا جہاں اس نے جانا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوئی اور اس نے آگے کے حصہ کے طول کو چھوٹا کر دیا اور جب فرشتوں نے زمین ناپی تو رحمت کے وہ زیادہ قریب نکلا۔ پس اس کی روح اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ملائکہ اٹھا کر لے گئے[۲]۔ یہ ایک کشف تھا جس میں یہ واقعہ ہوا نادان لوگ یہ خیال نہ کریں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین سمیٹی تو درمیان کے شہر اور گاؤں کہاں چلے گئے ملائکہ کا عالم جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہے اور اس میں ہر چیز روحانی نظر سے ہی دیکھی جاتی ہے۔ بسا اوقات روحانی عالم میں چھوٹی دکھائی دینے والی چیز جسمانی عالم میں بڑی ہوتی ہے اور بسا اوقات جسمانی عالم میں بڑی نظر آنے والی چیز روحانی عالم میں نہایت معمولی ہوتی ہے۔ خواب میں ہی بعض دفعہ انسان دیکھتا ہے کہ اس پر دو دن گزر گئے حالانکہ اسے سوئے ہوئے ایک گھنٹہ ہوا ہوتا ہے اور بعض دفعہ دیکھتا ہے کہ اس نے ایک ہی منٹ کا کوئی نظارہ دیکھا حالانکہ وہ ساری رات سویا ہوتا ہے تو روحانی اور جسمانی عالم میں فرق ہے یہ واقعہ بیان کرکے رسول کریم ﷺ نے ہمیں سمجھایا ہے کہ دنیا میں بدی پر ہمیشہ نیکی غالب رہتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی قرآن مجید میں فرماتا ہے لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ[۳] اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس مت ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا[۴] خدا تو سارے گناہوں کو بخش سکتا ہے اب کونسا آدمی ہے جو اپنی زندگی میں دنیا کے سارے کے سارے گناہ کر لیتا ہے۔ ہر شخص گناہوں کے ایک ہی حصہ کا مرتکب ہوتا ہے پس جو ذات اس قدر غفور رحیم ہے کہ وہ سارے گناہوں کو بخش سکتی اور انسان کے تمام عیوب سے چشم پوشی کر سکتی ہے وہ کچھ حصہ گناہ کو تو بدرجہ اَولیٰ بخش سکتی ہے البتہ انسان کو امید اور یقین رکھنا چاہئے کہ خواہ اس کے کس قدر گناہ کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف وہ جب بھی توجہ کریگا خدا اسے رحمت اور مغفرت کے ساتھ ملے گا۔

پس یاد رکھو دنیا کی تمام ترقیات کا مدار امید پر ہے خواہ یہ ترقیات روحانی ہوں یا جسمانی سیاسی ہوں یا اقتصادی۔ جو قومیں امید زندہ رکھیں گی وہ کامیاب ہو جائیں گی اور جو امید چھوڑ دیں گی وہ کبھی ترقی نہیں کر سکیں گی ہماری آنکھوں کے سامنے اس کی ایک موٹی مثال ہندوستان اور جاپان کی ہے جاپان نہایت چھوٹا سا ملک ہے۔ آج کل اس کی آبادی چار کروڑ کے قریب ہے۔ پہلے

اڑھائی کروڑ اس کی آبادی تھی اس کے مقابلہ میں ہندوستان کی آبادی ۳۰ کروڑ ہے مگر انگریز یہاں پر آئے اور انہوں نے قبضہ جمالیا جس کی وجہ یہی تھی کہ ہندوستانیوں نے امید چھوڑ دی۔ مگر جاپان انگریز بھی گئے ڈچ بھی گئے امریکن بھی گئے اور سب نے کوششیں کیں کہ کسی طرح جاپان کو زیر کرلیں مگر جاپان والوں نے امید نہ چھوڑی اور دس سال کے عرصہ میں سب کو اپنے ملک سے باہر نکال دیا غرض جو قومیں امید چھوڑ دیتی ہیں وہ ہار جاتی ہیں مگر جو امید قائم رکھتی ہیں اور امید کے ساتھ صحیح طریق اختیار کرتی ہیں اور اس امر کا تہیہ کرلیتی ہیں کہ جو بھی مصیبت آئیگی وہ اسے خوشی اور مسرت سے برداشت کریں گی وہ ایک نہ ایک دن کامیاب ہو کر رہتی ہیں اور یہی مطلب ہے امید کا۔ امید یہ نہیں کہ گھر میں بیٹھے خیالی پلاؤ پکاتے رہو یہ تو جنون ہے امید یہ ہے کہ انسان صحیح طریق اختیار کرے اور جو بھی علاج اللہ تعالیٰ نے کسی مرض کا مقرر کیا ہے اس سے فائدہ اٹھائے خواہ مرض روحانی ہو یا جسمانی' سیاسی ہو یا اقتصادی بہرحال صحیح طریق اختیار کرے اور اس امر کا عزم کرلے کہ اس معاملہ میں جو بھی مشکلات پیش آئیں گی وہ سست نہیں کرسکیں گی بلکہ اور زیادہ کام کے لئے تیار کردیں گی۔ اور پھر یقین رکھے کہ میں کامیاب ہو کر رہوں گا۔ اگر میں کامیاب نہ ہوا تو کیا ہے میری اولاد یہ کام کرے گی اور اگر وہ بھی مرگئی تو اس کی اولاد کام کرے گی یہاں تک کہ ایک دن یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا یہ امید ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے اور یہ امید ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ وہ قومیں جنہیں امید حاصل ہو جاتی ہے' وہ ایک نہ ایک دن کامیاب ہو کر رہتی ہیں۔ اور وہ قومیں جن کے دلوں سے امید نکال لی جاتی ہے انہیں کبھی بھی کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کے انبیاء جو دنیا میں آتے ہیں وہ بھی امید کا پیغام لے کر آتے ہیں۔ مکہ معظمہ میں جب رسول کریم ﷺ کے ساتھ صرف چند صحابہ تھے اور سارا عرب آپ کے خلاف تھا ایسے زمانہ میں کیا فرق تھا رسول کریم ﷺ کی جماعت میں اور دوسرے لوگوں میں۔ اور کیوں قرآن مجید اُن پر حجت کرتا ہے کہ دیکھنا باوجود تمہاری ان کوششوں کے مسلمان کامیاب ہوں گے اور تم ناکام رہو گے۔ پھر وہ کیا چیز تھی جس کی وجہ سے محمد ﷺ کے چند صحابہ یہ یقین رکھتے تھے کہ وہ لاکھوں کفار پر غالب آجائیں گے۔ وہ امید ہی تھی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمائی۔ اور امید ہی تھی جو کفار کے ساتھ نہیں تھی یہی وجہ تھی کہ باوجود لاکھوں ہونے کے کفار ڈرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی باتیں نہ سننا ان کی مجلس میں نہ جانا یہ

ناامیدی نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ لاکھوں ہو کر چند مسلمانوں سے خوف کھاتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں رسول کریم ﷺ کی یہ تعلیم نہیں تھی کہ کفار کی باتیں نہ سنو بلکہ جب بھی رسول کریم ﷺ پر احکام نازل ہوتے آپ فرمایا کرتے جاؤ اور کفار کو جاکر یہ باتیں سناؤ اور ان کی سنو کیونکہ رسول کریم ﷺ یہ امر خوب جانتے تھے کہ مسلمانوں کا ایک ایک آدمی ایک لشکر ہے۔ اور کفار کا بڑے سے بڑا لشکر ایک آدمی سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔ آپ سمجھتے تھے ہمارا جو بھی آدمی ان کے پاس جائے گا وہ ان میں سے کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ کھینچ کر لائے گا۔ مگر کفار یہ خیال کرتے تھے کہ ہمارا کوئی بھی آدمی اگر محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی مجلس میں چلا گیا تو پھر وہ واپس نہیں آئے گا۔ اس وجہ سے وہ بعض دفعہ کانوں میں روئی ٹھونس لیتے تاکہ کوئی بات رسول کریم ﷺ کی ان کے کانوں میں نہ پڑ جائے۔ یہ مسلمانوں کی امید تھی جس نے انہیں غالب کر دیا اور یہ کفار کی ناامیدی تھی جس نے انہیں تھوڑے سے مسلمانوں کے مقابلہ میں نیچا دکھادیا۔ اب بھی اللہ تعالیٰ نے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا ہے تو وہ کیا چیز ہے جو دوسرے مسلمانوں سے ہماری جماعت کو ممتاز کرتی ہے اور کیوں لوگ ہمارے اثر سے ڈرتے اور مولوی لوگ کہا کرتے ہیں کہ ان کے پاس نہ بیٹھو' ان کی کتابیں نہ پڑھو۔ ان کی باتیں نہ سنو۔ محض اس لئے کہ وہ جانتے ہیں یہ لوگ غالب آجائیں گے مگر ہم اپنی جماعت کے لوگوں کو دوسروں کی باتیں سننے سے منع نہیں کرتے بلکہ بعض دفعہ ناراض ہو جاتے ہیں کہ کیوں ہماری جماعت کے دوست دوسرے لوگوں سے ملتے نہیں اور کیوں انہیں اپنی باتیں نہیں سناتے۔ ہم یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کی کتابیں پڑھو یہ بھی کہا کرتے ہیں ان کے پاس بیٹھو مگر وہ ہمارے پاس بیٹھنے سے منع کریں گے کیونکہ سمجھتے ہیں کہ احمدی اپنی باتیں منوالیں گے۔ یہی فرق ہے جو ہم میں اور ان میں ہے۔ اور یہ محض امید کی وجہ سے ہے۔ ہم دوسروں سے ملنے سے اس لئے منع نہیں کرتے کہ ہم امید رکھتے ہیں ہم فاتح ہیں اور ایک دن دنیا کو فتح کر کے رہیں گے اور وہ اس لئے منع کرتے ہیں کہ انہیں ڈر ہے کہ ہم آج بھی گئے اور کل بھی گئے۔ ہم جانتے ہیں کہ کوئی صورت ہو ہم ہر طرح ان پر غالب آجائیں گے کیونکہ حق ہمارے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ قرآن پیش کریں تو ہم قرآن کے رو سے بحث کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ صحیح حدیثوں کے ذریعہ بحث کرنا چاہیں تو ہم اس پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں کیونکہ ہمیں امید اور یقین ہے کہ خدا کا کلام ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہو نہیں سکتا کہ کوئی صحیح حدیث خدا کے کلام کے خلاف ہو اور اس طرح ہمیں شکست اٹھانی

پڑے- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ لو آپ اپنے زمانہ میں یہ دعویٰ فرماتے ہیں کہ توفی کا لفظ جب انسان کے متعلق آئے اور فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے معنی سوائے قبض روح اور موت کے اور نہیں ہوتے- اس کے مقابلہ میں کوئی شخص نہیں اٹھتا اور کسی میں طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اس کے خلاف ثابت کرسکے- کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے تھے کہ قرآن اور لغت عرب آپ کی تائید میں ہیں- اور آپ یقین رکھتے تھے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا کی بات ہو اور پھر لغت عرب اس کے خلاف ہو- اس کے مقابلہ میں دوسرے لوگوں کے دلوں میں امید نہیں- اور وہ باوجود اس خیال کے کہ احمدیہ جماعت غلطی پر ہے' پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کیا خبر کہ قرآن مجید ہمارے خلاف ہی ہو جائے- حالانکہ اگر انہیں اپنی سچائی پر یقین ہو اور اس بات پر بھی یقین ہو کہ احمدی غلط کہتے ہیں تو اس ڈر کے معنے ہی کیا ہیں-

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ ہے- آپ کے ایک دوست تھے جو مولوی محمد حسین بٹالوی کے بھی دوست تھے- ان کا نام نظام الدین تھا- انہوں نے سات حج کئے تھے- بہت ہنس مکھ اور خوش مزاج تھے- چونکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مولوی محمد حسین بٹالوی دونوں سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اس لئے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ ماموریت کیا اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا تو ان کے دل کو بڑی تکلیف ہوئی کیونکہ ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیکی پر بہت یقین تھا- وہ لدھیانہ میں رہا کرتے تھے اور مخالف لوگ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف کچھ کہتے تو وہ ان سے جھگڑ پڑتے اور کہتے کہ تم پہلے حضرت مرزا صاحب کی حالت تو جا کر دیکھو- وہ تو بہت ہی نیک آدمی ہیں اور میں نے انکے پاس رہ کر دیکھا ہے کہ اگر انہیں قرآن مجید سے کوئی بات سمجھادی جائے تو وہ فوراً ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں- وہ فریب ہرگز نہیں کرتے- اگر انہیں قرآن سے سمجھا دیا جائے کہ ان کا دعویٰ غلط ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ فوراً مان جائیں گے- بہت دفعہ وہ لوگوں کے ساتھ اس امر پر جھگڑتے اور کہا کرتے کہ جب میں قادیان جاؤں گا تو دیکھوں گا کہ وہ کس طرح اپنے دعویٰ سے توبہ نہیں کرتے- میں قرآن کھول کر انکے سامنے رکھ دوں گا اور جس وقت میں قرآن کی کوئی آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر جانے کے متعلق بتاؤں گا' وہ فوراً مان جائیں گے- میں خوب جانتا ہوں وہ قرآن کی بات سن کر پھر کچھ نہیں کہا کرتے- آخر ایک دن انہیں خیال آیا اور لدھیانہ سے

قادیان پہنچے اور آتے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ کیا آپ نے اسلام چھوڑ دیا ہے اور قرآن سے انکار کر دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ قرآن کو تو میں مانتا ہوں اور اسلام میرا مذہب ہے۔ کہنے لگے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں لوگوں سے یہی کہتا رہتا ہوں کہ وہ قرآن کو چھوڑ ہی نہیں سکتے پھر کہنے لگے۔ اچھا اگر میں قرآن مجید سے سینکڑوں آیتیں اس امر کے ثبوت میں دکھا دوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ چلے گئے ہیں تو کیا آپ مان جائیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا سینکڑوں آیات کا تو کیا ذکر اگر آپ ایک ہی آیت مجھے ایسی دکھا دیں گے تو میں مان لوں گا۔ کہنے لگے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں لوگوں سے یہی بحثیں کرتا آیا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب سے منوانا تو کچھ مشکل بات نہیں۔ یونہی لوگ شور مچا رہے ہیں۔ پھر کہنے لگے اچھا سینکڑوں نہ سہی میں اگر سَو آیتیں ہی حیات مسیح کے ثبوت میں پیش کر دوں تو کیا آپ مان لیں گے۔ آپ نے فرمایا میں نے تو کہہ دیا ہے کہ اگر آپ ایک ہی آیت ایسی پیش کر دیں گے تو میں مان لوں گا۔ قرآن مجید کی جس طرح سو آیتوں پر عمل کرنا ضروری ہے اسی طرح اس کے ایک ایک لفظ پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ایک یا سو آیتوں کا سوال ہی نہیں۔ کہنے لگے اچھا سو نہ سہی پچاس آیتیں اگر میں پیش کر دوں تو کیا آپ کا وعدہ رہا کہ آپ اپنی بات چھوڑ دیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر فرمایا میں تو کہہ چکا ہوں آپ ایک ہی آیت پیش کریں میں ماننے کے لئے تیار ہوں۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جوں جوں اس امر پر پختگی کا اظہار کرتے جائیں انہیں شبہ ہو تا جائے کہ شاید اتنی آیتیں قرآن میں نہ ہوں۔ آخر کہنے لگے اچھا دس آیتیں اگر میں پیش کر دوں تو پھر آپ ضرور مان جائیے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑے اور فرمایا میں تو اپنی پہلی ہی بات پر قائم ہوں آپ ایک آیت ایسی پیش کریں۔ کہنے لگے اچھا میں اب جاتا ہوں۔ چار پانچ دن تک آؤں گا اور آپ کو قرآن سے ایسی آیتیں دکھلا دوں گا۔ ان دنوں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لاہور میں تھے اور حضرت خلیفہ اول بھی وہیں تھے اور مولوی محمد حسین بٹالوی سے اس وقت مباحثہ کے لئے شرائط کا تصفیہ ہو رہا تھا جس کے لئے آپس میں خط و کتابت بھی ہو رہی تھی۔ مباحثہ کا موضوع وفات مسیح تھا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی یہ کہتے تھے کہ چونکہ قرآن مجید کی مفسّر حدیث ہے اس لئے جب حدیثوں سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو وہ قرآن مجید کی ہی بات سمجھی جائے گی اس لئے حدیثوں کی رو سے وفات و حیات مسیح پر بحث ہونی چاہئے۔ اور حضرت مولوی صاحب فرماتے کہ

قرآن مجید حدیث پر مقدم ہے اس لئے بہر صورت قرآن سے اپنے مدّعا کو ثابت کرنا ہو گا- اس پر بہت دنوں بحث رہی اور بحث کو مختصر کرنے کے لئے اور اس لئے کہ تا کسی نہ کسی طرح مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے مباحثہ ہو جائے حضرت خلیفہ اول اس کی بہت سی باتوں کو تسلیم کرتے چلے گئے- اور مولوی محمد حسین صاحب بہت خوش تھے کہ جو شرائط میں منوانا چاہتا ہوں وہ مان رہے ہیں اس دوران میں میاں نظام الدین صاحب وہاں جا پہنچے اور کہنے لگے اب تمام بحثیں بند کردو- میں اب حضرت مرزا صاحب سے مل کر آیا ہوں اور وہ بالکل توبہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں- میں چونکہ آپ کا بھی دوست ہوں اور حضرت مرزا صاحب کا بھی اس لئے مجھے اس اختلاف سے بہت تکلیف ہوئی- میں یہ بھی جانتا تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی طبیعت میں نیکی ہے اس لئے میں ان کے پاس گیا اور ان سے یہ وعدہ لے کر آیا ہوں کہ قرآن سے دس آیتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے متعلق دکھادی جائیں تو وہ حیات مسیح علیہ السلام کے قائل ہو جائیں گے آپ مجھے ایسی دس آیتیں بتلادیں- مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی طبیعت میں غصہ بہت تھا اور وہ بہت جلد باز تھے- کہنے لگے کم بخت تُو نے میرا سارا کام خراب کردیا- میں دو مہینے سے بحث کرکے ان کو حدیث کی طرف لایا تھا اب تُو پھر قرآن کی طرف لے گیا- میاں نظام الدین کہنے لگے اچھا تو دس آیتیں بھی آپ کی تائید میں نہیں- وہ کہنے لگے تُو جاہل آدمی ہے تجھے کیا پتہ کہ قرآن کا کیا مطلب ہے وہ کہنے لگے اچھا تو پھر جدھر قرآن ہے ادھر ہی میں بھی ہوں- یہ کہہ کر وہ قادیان آئے اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کرلی- دیکھو قرآن پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کس قدر اعتماد تھا- اور آپ کتنے وثوق سے فرماتے تھے کہ قرآن آپکے خلاف نہیں ہو سکتا- اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ قرآن کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ کوئی خاص رشتہ ہے یا اس کا جماعت احمدیہ سے خاص تعلق ہے- قرآن تو سچائی کی راہ دکھائے گا اور جو فریق سچ پر ہو گا' اس کی حمایت کرے گا- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چونکہ یقین تھا کہ آپ حق پر ہیں اس لئے قرآن بھی آپ کے ساتھ تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرا کوئی دعویٰ قرآن کے مطابق نہ ہو تو میں اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دوں- اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے دعویٰ کے متعلق کوئی شک تھا بلکہ یہ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یقین تھا کہ قرآن میری تصدیق ہی کرے گا- یہ امید ہے جس نے ہمیں دنیا میں کامیاب کردیا اور آج وہی قرآن ہمارے

ہاتھوں میں ایک زندہ کتاب ہے۔ کل ہی مجھے ایک دوست نے جو غیر احمدی ہیں، خط لکھا جس میں وہ لکھتے ہیں۔ میں نے آج سے کچھ عرصہ پہلے سلسلہ کی مخالف کتابیں پڑھیں اور مجھے ان کے پڑھنے سے یوں معلوم ہوا کہ ان لوگوں میں نہ صرف یہ کہ صداقت نہیں بلکہ ان کا صداقت سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔ پھر میں نے کچھ سلسلہ کی کتابیں پڑھیں تو مجھے محسوس ہوا کہ ان کتابوں میں روحانیت پائی جاتی ہے۔ مجھے آپ اور ایسی کتابیں بتائیں جو میں پڑھوں اور جن کے پڑھنے سے مجھے سلسلہ کے متعلق مزید واقفیت حاصل ہو۔ یہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے قرآن ہمیں ہر میدان میں کامیاب کر دیتا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے دلوں میں یہ امید بھر دی ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور اس پر جو شخص غور کرے گا وہ اس میں نئے حقائق اور نئے معارف پائے گا۔ باقی لوگ ناامید ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ جو کچھ ان کے بزرگوں کو مل گیا وہی سب کچھ تھا۔ اب آئندہ کے لئے قرآن کے معارف کا دروازہ بند ہو چکا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر شخص سے اس کی نیت کے مطابق معاملہ ہوتا ہے اس لئے جب مسلمانوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے معارف کا دروازہ بند کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے حقیقتاً ان پر قرآن کے معارف کے دروازے کو بند کر دیا۔ رسول کریم ﷺ ایک دفعہ وعظ فرما رہے تھے۔ آپ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے ابھی تین آدمی اس مجلس میں آئے۔ ایک نے دیکھا کہ بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں وہ یہ دیکھ کر واپس چلا گیا۔ دوسرا شخص آیا اور اسے جہاں بیٹھنے کی جگہ مل گئی بیٹھ گیا۔ اسے شرم آئی کہ وہ واپس جائے۔ پھر تیسرا شخص آیا اس نے بھی دیکھا کہ بیٹھنے کے لئے جگہ نہیں۔ مگر اس نے گھُس کر آگے اپنے لئے جگہ بنالی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ شخص جو آیا اور مجلس سے منہ پھیر کر چلا گیا میں نے بھی اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور جس نے شرم کی اور بیٹھ گیا میں نے بھی اس کے گناہوں سے چشم پوشی کی اور وہ شخص جس نے آگے اپنے لئے جگہ بنالی میں نے بھی اسے اپنے قرب میں جگہ دی ۵؎ تو جیسا انسان خدا سے اپنے متعلق امید رکھتا ہے ویسا ہی اس سے سلوک ہوتا ہے۔ جب ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ امید پیدا کی ہے کہ وہ ہم پر اپنے معارف کھولے گا تو یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم پر معارف کا دروازہ کھولا گیا۔ نہ صرف پہلوں جتنا بلکہ ان سے بہت زیادہ اس لئے کہ ہر زمانہ کے لئے معارف اور علوم الگ الگ ہوتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تازہ الہام کے زمانہ کا قرب عطا کیا ہے۔ پس اس وجہ سے ہم پر بہت زیادہ معارف کھلے۔ مگر پہلے مفسرین میں سے کوئی ایسا مفسر نہیں جسے یہ بات حاصل ہوئی ہو بلکہ تمام مفسر دو سو اور

چار سو سال کے بعد ہوئے۔ اس لئے بہت سے معارف حاصل کرنے میں ان سے کوتاہی ہوئی۔ مگر ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت زیادہ علوم عطا کئے ہیں۔ نادان ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ رازی نے جو کچھ لکھ دیا وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ امام رازی الہام کے سلسلہ سے پانچ چھ سو سال بعد ہوئے اور ہم سے اللہ تعالیٰ نے الہام کے سلسلہ کو یوں قریب کیا ہے جس طرح دو انگلیاں آپس میں پیوست ہوتی ہیں۔ پس یاد رکھو تمام کامیابیاں امید سے وابستہ ہیں۔ رسول کریم ﷺ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں کہ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ [۵] خدا بندے سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہے جیسا بندہ اس پر گمان کرتا ہے۔

پس کبھی مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضلوں کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ اور کبھی مت خیال کرو کہ روحانیت کے مدارج پہلے لوگ حاصل کر چکے ہیں۔ اب حاصل نہیں ہو سکتے۔ یہ سب باطل خیالات ہیں وہم ہیں اور جنون فاسدہ سے زیادہ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ جتنا جتنا یہ خیال راسخ ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی کفر دلوں میں راسخ ہونا شروع ہو جائے گا۔ پس خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔ اور ہر شخص جو اللہ تعالیٰ کی خواہش کرتا ہے وہ اسے پالیتا ہے۔ بقول مسیح ناصری "جو کوئی مانگتا ہے اسے دیا جاتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے۔ اور جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے واسطے کھولا جائے گا"۔

پس اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹاؤ تا وہ تمہارے لئے کھولا جائے۔ قرآن مجید بھی فرماتا ہے کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ [۶] جو شخص بھی کوشش کرتا ہے اور جس رنگ میں بھی کوشش کرتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

پس ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ کبھی مایوس نہ ہو۔ اور نہ کبھی ہمت ہارے کیونکہ تمام قسم کی تاریکیاں، تمام قسم کے گناہ اور تمام قسم کے عیوب اسی وقت پیدا ہوتے ہیں جب انسان مایوس ہو جائے اور اپنے لئے چھوٹے درجہ پر قانع رہے۔ مگر وہ جو اللہ تعالیٰ کے فضلوں پر امید رکھتا ہے وہ آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں اللہ تعالیٰ کے قرب کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اور اگر وہ نہ بھی کرے اور اسی جدوجہد میں مرجائے تب بھی وہ اس سپاہی کی طرح ہو گا جو اپنے ملک کی خاطر لڑتا ہوا مارا گیا۔ کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ وہ سپاہی جس نے اپنے ملک کی خاطر جان دیدی گو اس نے فتح کا دن نہیں دیکھا نامراد رہا۔ ہرگز نہیں۔ معمولی سی عقل والی گورنمنٹ بھی اس کی قدر کرتی ہے۔ اور اگر وہ اسے انعام نہیں دے سکتی تو اس کے بیوی بچوں کو بدلہ دیتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی

حکومت سے تو کوئی شخص باہر نہیں۔ جو اس جہان میں مرجاتا ہے وہ اگلے جہان میں زندہ ہوتا ہے۔ پس ایسا شخص بھی جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا مقام حاصل کرنے کی جدوجہد میں وفات پا گیا گو اسے قرب حاصل نہیں ہوا اگلے جہان میں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہوگا۔ کیونکہ وہ اس سپاہی کی طرح ہے جس نے اپنے ملک کی خاطر جان دیدی۔

(الفضل ۱۴۔ اپریل ۱۹۳۲ء)

۱۔ مسلم کتاب البر والصلۃ والادب باب النھی من قول ھلک الناس

۲۔ مسلم کتاب التوبۃ باب قبول توبۃ القاتل وان کثر قتلہ

۳۔ یوسف: ۸۸

۴۔ الزمر: ۵۴

۵۔

۶۔ بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ یریدون ان یبدلوا کلام اللہ ..... الخ

۷۔ بنی اسرآءیل: ۲۱